۸ نومبر ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر آل احمد سرور | شمارہ ۴۲

اس شمارے میں

اداریہ

رسم خط میں تبدیلی کا سوال کیوں؟

(۲)

پچھلی اشاعت میں ہم نے عرض کیا تھا کہ اردو رسم خط میں تبدیلی اور دیوناگری یا رومن رسم خط اختیار کرلینے کا مشورہ غلط ہے جو لوگ یہ مشورہ دیتے ہیں وہ اردو کے نادان دوست ہیں یا کسی احساس کمتری میں مبتلا ہوگئے ہیں یا ان کے پیش نظر کچھ محدود ذاتی یا سیاسی مفادات ہیں۔ دنیا کا کوئی رسم خط مکمل نہیں ہے۔ اس لئے رسم خط میں اصلاح کا سوال تو ہو سکتا ہے لیکن تبدیلی کا نہیں۔ پھر جہاں تک اردو بولنے والوں کا سوال ہے ہندوستان کے دستور میں ان کی زبان اور رسم خط دونوں کے تحفظ کی پوری ضمانت موجود ہے۔ ہندی کے جو ادیب ازراہ ہمدردی، ہمیں یہ مشورہ دیتے ہیں اُن سے ہماری گزارش یہ ہے کہ وہ شوق سے اردو کی کتابیں دیوناگری رسم خط میں شائع کریں۔ ہمیں اس سے خوشی ہوگی، بلکہ ہم خود بھی اردو کی کتابوں کو علاوہ اردو رسم خط کے دیوناگری میں بھی شائع کرنے کی افادیت کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں لینے چاہئیں کہ ہم اردو رسم خط کو بدل کر اس کی جگہ دیوناگری کو دینا چاہتے ہیں۔ ہم اردو رسم خط کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ جو اردو زبان سیکھے وہ اردو رسم خط بھی سیکھے، ہمارا ایمان یہ ہے کہ بغیر اردو رسم خط سیکھے ہوئے اردو زبان کے سارے سرمائے سے تعلق پیدا رکھا جا سکتا اور اس کے رمز ملفوظات سے واقفیت نہیں پیدا کی جا سکتی۔ ہاں ہم یہ ضرور محسوس کرتے ہیں کہ اردو زبان سکھانے کے لئے اور جدید طباعت کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہمیں موجودہ رسم خط میں کچھ اصلاحیں کرنی چاہئیں۔ یہ اصلاحیں ابھی مشورے کے طور پر ہیں۔ اس سلسلے میں کوئی حکم نہیں دیا جا سکتا، نہ ان اصلاحات کو سب پر لادا جا سکتا ہے، نہ ایک دن میں سب ان پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہوں گے۔ ہاں اس سلسلے میں رفتہ رفتہ لوگوں کو ان اصلاحات کو قبول کرنے پر تیار کیا جا سکتا ہے۔ انجمن ترقی اردو ایک عرصے سے اس مسئلے کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتی رہی ہے۔ مولوی عبدالحق نے سنہ ۱۹۳۶ء میں ناگپور کی کانفرنس میں کچھ تجاویز بھی اس سلسلے میں پیش کی تھیں جو زیادہ تر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی سفارشات پر مبنی تھیں۔ ان میں سے چند پر انجمن کی مطبوعات میں کچھ عرصے عمل بھی ہوا۔ پھر سنہ ۱۹۵۶ء میں ہماری تجویز پر انجمن نے ایک سوالنامہ جاری کیا تھا۔ یہ سوالنامہ رسم خط میں اصلاح کے سلسلے میں تھا نہ کہ رسم خط میں تبدیلی کے سلسلے میں جیسا کہ بمبئی کے ایک صاحب نے بڑے طمطراق سے لکھا تھا۔ انجمن کی جولائی ۱۹۵۶ء کی کانفرنس میں اس سوالنامے کے جوابات پر ماہرین کی ایک کمیٹی کی سفارشات بھی پیش ہوئی تھیں، لیکن بدقسمتی سے پہلی تجویز پر جس میں طباعت کے لئے نسخ ٹائپ کو اختیار کرلینے کی سفارش کی گئی تھی، اتفاق نہ ہو سکا۔ اب ہم نے یہ طے کیا ہے کہ سوالنامے پر جوابات کو علیحدہ کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے تاکہ اس پر مزید غور ہو سکے لیکن ہمارے نزدیک جو اصلاحات جلد سے جلد ہونی چاہئیں ان پر کچھ کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہماری رائے میں اب ہمیں بچوں کے لئے اور ان بالغوں کے لئے جو اردو سیکھنا چاہتے ہیں نسخ ٹائپ کو اختیار

کر لینا چاہئے۔ نسخ میں جوڑوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ حروف کی شکلیں نہیں بدلتیں اور ایک ہی پریس میں جہاں انگریزی یا ہندی کی چھپائی ہوتی ہے، اردو کی کتابیں بھی چھپ سکتی ہیں۔ بچوں کو ہم جلد اردو سکھا سکتے ہیں۔ ہماری کتابیں زیادہ تعداد میں چھپ سکتی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ فی الحال یہ مہنگا پڑے گا، مگر ریاستی حکومتیں اور تعلیمی ادارے بہر حال یہ خرچ برداشت کر سکتے ہیں رفتہ رفتہ تجارتی ادارے بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں گے، رہا مانوس ہونے کا سوال تو شروع میں اگر بچے نسخ کے ذریعہ سے پڑھنا سیکھیں گے تو پھر انھیں اس کی افادیت میں حسن بھی نظر آئے گا۔ اس وقت نستعلیق کے دائروں کی خوشنمائی کا سوال زیادہ تر وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو بچپن میں نستعلیق کے ذریعہ سے اردو پڑھ چکے ہیں۔

دوسری اصلاح جو ہمارے نزدیک ضروری ہے وہ ہر حرف کی زیادہ سے زیادہ دو شکلیں رکھنے کی ہے۔ مثلاً بس۔ بجز۔ بد میں ب کی شکل ہر جگہ بدلی ہوتی ہے۔ اس لئے لفظ کے شروع یا درمیان کے لئے ب اور آخر کے لئے پوری ب کافی ہیں، اسی طرح بعد اور شمع کو بعد اور شمع لکھا جا سکتا ہے اس میں کرسی کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور ہر حرف کی پوری یا آدھی شکل نمایاں، واضح اور قطعی رہے گی تیسری اصلاح جو ہمارے نزدیک ضروری ہے وہ عربی فارسی کے الفاظ کو اردو کے قاعدے سے لکھنے کی ہے یہ ایک حد تک ہو بھی رہا ہے مگر اس میں اب باقاعدہ التزام کرنے کی ضرورت ہے یعنی خورشید کو خرشید لکھا جائے۔ ذکواۃ کو زکات، رحمٰن کو رحمان۔ بالکل کو بِل کُل، فوراً کو فورن۔ لغت میں چونکہ ان کا اصلی تلفظ اور مادہ لے گا، اس لئے خواص کو ان کی اصل معلوم ہو جائے گی۔ اردو ایک آزاد اور خود مختار زبان ہے۔ حال میں ایک صاحب نے ذومعنی پر اعتراض کیا تھا کہ اس کا مطلب صاحب معنی ہے۔ دو معنی کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ذو معنیین کہنا چاہئے۔ حالانکہ وہ صاحب یہ بھول گئے کہ ذومعنی اب اردو کا لفظ ہے اور دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں تک کہ فرہنگ آصفیہ کی سند بھی اس استعمال کے لئے موجود ہے اس لئے ایسی اصلاحات کا مطلب صرف یہ ہے کہ اپنے چلن کو تسلیم کر کے پڑھنے والوں کے لئے آسانی پیدا کی جائے چوتھی اصلاح ی کے سلسلے میں ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک یائے معروف اور یائے مجہول عام طور پر پوری لکھی جائیں خواہ یہ حرف درمیان میں ہو یا آخر میں تو بہت سی مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔ ہاں آے، لے، تئے کی آواز کو ظاہر کرنے کے لئے آدھی یائے معروف یعنی ای، لی، تی لکھی جا سکتی ہے۔ اس قاعدے کے مطابق میز کو مے ز، میر کو می ر، لکیر کو لکی ر۔ سے کر کے لکھنا ٹھیک رہے گا۔ دشواری یہ لکھنے میں پڑے گی تو اس کے بجائے حرف سے کام نکالا جا سکتا ہے۔ صوتی لحاظ سے مناسب بھی ہے۔ پانچویں بات ہمزہ کے سلسلے میں ہوگی۔ ہمزہ صرف وہاں لکھنا چاہئے جہاں آواز ٹوٹ جائے۔ دیئے سیئے بغیر ہمزہ کے اور گئے لئے ہمزہ کے ساتھ لکھنے چاہئیں۔ کوئی کو کوی پائی کو پای لکھنا بہتر ہوگا۔

جہاں آخر میں الف کی آواز آتی ہے وہاں ہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ پتہ کے بجائے پتا، بٹوارہ کے بجائے بٹوارا، پردہ کے بجائے پردا، کھلونہ کے بجائے کھلونا، کویلہ کے بجائے کویلا۔ کنواں، ہنسنا، پھانسی میں نون غنہ کے اظہار کے لئے ضرور بنانا چاہئے۔ یعنی کنؔواں، ہنؔسنا، پھانؔسی ظاہر ہے کہ یہ اور اس قسم کی دوسری اصلاحیں نہ ایک دن میں رائج ہو سکتی ہیں نہ سب ان سے اتفاق کریں گے۔ مگر رفتہ رفتہ سہولت کی بنا پر اتفاق رائے ہو سکتا ہے۔ اصلاحات کے سلسلے میں کسی کا مشورہ حرف آخر نہیں کہا جا سکتا، ان اصلاحات پر غور کیا جا سکتا ہے اور کرنا چاہئے، اصلاحات کا مقصد صرف یہ ہونا چاہئے کہ اردو لکھنے پڑھنے میں آسانی ہو اور اس کی کتابوں کی طباعت جلد اور صحیح ہو سکے۔ یہ اصلاحات ایسی ہوں کہ مجموعی طور سے موجودہ رسم خط میں کوئی بڑی تبدیلی نہ ہو پائے اور اصلاح شدہ رسم خط کا عادی معمولی توجہ سے پرانی کتابیں بھی پڑھ سکے۔ زبان و ادب میں تسلسل بہت ضروری ہے۔

باقی صفحہ ۱۱ سے آگے

غرض پوری کتاب میں ایسی ہی اہم معلومات بکھری پڑی ہیں۔ علی گڑھ تحریک، ایم۔ اے۔ او کالج کی تاریخ اور اس دور کی اہم شخصیتوں پر جو بھی تحقیق ہوگی اس میں میر صاحب کی اس چھوٹی سی آپ بیتی سے بہت مدد ملے گی اور جو بھی اس کتاب کو پڑھے گا وہ اس سادہ اور پرکار شخصیت، اس کردار کے غازی، اس ایثار کے پتلے اور اس شرافت اور اخلاق کی تصویر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ علی گڑھ کو جو عظمت حاصل ہوئی وہ سر سید اور ان کے میر صاحب جیسے رفیقوں کے خلوص اور خدمت کی وجہ سے حاصل ہوئی اور جب تک ہم ان بزرگوں کی اس خصوصیت کو پھر سے زندہ نہیں کریں گے۔ ان کی جانشینی کا حق ادا کرنے میں ناکام رہیں گے۔ ان کے خیالات کی تقلید اتنی ضروری نہیں۔ ان کے خلوص اور کردار کو اپنانا زیادہ ضروری ہے۔

اورینٹل کالج بمبئی کے کمپلیمنٹری امتحانات

شعبۂ اردو: ادیب، منشی، منشی عالم۔ شعبۂ اسلامیات: ابتدائی، متعلم اسلامیات، ماہر اسلامیات دوشنبہ ۲۵ رجنوری سنہ ۱۹۷۱ء سے شروع ہوں گے۔ نوٹ: ہر دو شعبہ جات کے دستور و نصاب اور فارم منگوانے کا پتہ۔

رجسٹرار اورینٹل کالج

۹۰ پائکا منزل بھنڈی بازار بمبئی ۳

سلطانہ حیات انچارج کل ہند مردم شماری کمیٹی انجمن ترقی اردو (ہند)

مردم شماری کا پہلا قدم خانہ شماری ہے

۱۰ر فروری ۱۹۷۰ء کو پورے ملک میں مردم شماری شروع ہو جائے گی۔ حکومت ہند مردم شماری کے ساتھ ساتھ، دوسری معلومات بھی حاصل کرے گی، شلاً ذرائع آمدنی، مادری زبان اور مذہب کیا ہے؟ تعلیم کتنی حاصل کی ہے؟ وغیرہ مردم شماری سے پورے ملک کی آبادی معلوم ہو جائے گی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کونسی بھاشا کتنے لوگوں کی مادری زبان ہے، نیز یہ کہ لوگ مادری زبان کے علاوہ اور کونسی زبانیں جانتے ہیں۔ اس طرح ہر زبان کے جاننے والوں کی کل تعداد معلوم ہو جائے گی۔

اگر کسی علاقہ میں اردو کے جاننے والے زیادہ ہیں تو وہاں ٹاؤن ایریا، میونسپلٹی یا کارپوریشن کی طرف سے اردو کے استعمال کے لئے مخصوص مراعات مل سکتی ہیں۔ اسی طرح دیگر اطلاعات کی بنا پر آئندہ کے منصوبے بنائے جائیں گے اس لئے ہر ہندستانی کا فرض ہے کہ وہ مردم شماری میں صحیح اندراجات کروانے میں سرکاری کارندوں کی مدد کرے۔

مردم شماری کمیٹی کی ضرورت

مردم شماری سے متعلق کام خوش اسلوبی سے انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ ہر حلقے یا گاؤں قصبہ یا شہر میں کچھ حضرات مل کر مردم شماری کمیٹی بنائیں۔ اگر ایک آبادی میں ایک سے زائد کمیٹیاں بن جائیں تو بھی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر ابتدا میں زیادہ ممبر نہ ہوں تو بھی کام شروع کر دینا چاہیے۔ اس کمیٹی کے درج ذیل کام ہوں گے۔

(۱) مردم شماری کے سرکاری طریق کار سے خود واقفیت حاصل کرنا اور عوام کو باخبر کرنا۔

(۲) یہ دیکھنا کہ مردم شماری میں ہر فرد اور خانہ شماری میں ہر گھر شمار کر لیا جائے۔

(۳) مردم شماری سلپ میں ہر اطلاع صحیح درج کرانا (قانونی طور پر ہر شخص کے لئے الگ الگ سلپ یا فارم ہوگا۔ جس کی خانہ پری اس کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق ہونی چاہیے۔

(۴) ہر خاندان کے سربراہ کو بتانا کہ اس کو کس طرح ہر انفرادی سلپ کا جائزہ لے کر اس کی پشت پر دستخط کرتے ہیں اور اگر اندراج صحیح نہ ہو تو دستخط نہ کرے۔

(۵) کارکنوں کی چھوٹی چھوٹی میٹنگ یا اجتماع کرانا اور ان کو مردم شماری کے کام سے باخبر کرنا۔

(۶) اگر کوئی اطلاع خلاف واقع درج کر لی جاتی ہے تو اس کو ٹھیک کرانا اور اگر اس میں رکاوٹ پڑے تو افسران بالا کی توجہ اس طرف مبذول کرانا تاکہ ناکامیابی کی شکل میں قانونی چارہ جوئی تک کی جا سکتی ہے۔ مردم شماری کے قانون میں اس کی گنجائش ہے۔ بہر حال اپنی کوشش کرنا کہ مردم شماری میں ہر چیز کا اندراج صحیح ہو۔

(۷) کمیٹی کے قیام کی اطلاع اور کام کی رپورٹ دفتر کل ہند مردم شماری کمیٹی انجمن ترقی اردو ہند ۵ پنچ کوئیں روڈ، چیک کاوڑی لکھنؤ کو دینا۔ تاکہ دفتر آپ کو ضروری اطلاعات دیتا رہے۔

(۸) مردم شماری کمیٹی کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں لوگوں سے مل کر یا خط و کتابت کے ذریعہ جس قدر جلد ممکن ہو کمیٹیاں قائم کرائے اور ان کو مردم شماری کے کام کے لئے تیار کرائے۔ مقامی مردم شماری کے دفتر سے رابطہ پیدا کرتے رہنا ان سے ہدایت لیتے رہنا اور ان کو اطمینان دلانا کہ ہماری تمام تر کوشش یہ ہے کہ مردم شماری معہ اپنے تمام لوازمات کے صحیح ہو۔ سرکاری دفتروں سے مردم شماری کا لٹریچر اردو میں بھی حاصل کرنا اور اس کو عوام میں تقسیم کرنا۔

مندرجہ بالا باتوں کی وضاحت کے لئے علاحدہ علاحدہ مضامین درکار ہوں گے اس وقت مردم شماری میں کام آنے والی ضروری اصطلاحات اور خانہ شماری کی ضرور تشریح کی جاتی ہے۔

(۱) شمار کار (اینومریٹر) ENUMERATOR مردم شماری کرنے والا۔

(۲) شمار وار جس کا شمار کیا جائے۔

(۳) انفرادی سلپ INDIVIDUAL SLIP

ہندستان میں مردم شماری دو حصوں میں کی جا رہی ہے۔

(الف) خانہ شماری یعنی ہر گھر کو شمار کر کے اس پر نمبر ڈالنا اور گھروں کے متعلق دیگر معلومات حاصل کرنا۔

(ب) مردم شماری یعنی ہر فرد کا شمار اور اس کے متعلق دیگر باتوں کا اندراج کرنا۔

خانہ شماری

خانہ شماری کا پہلا دور ۱۹۷۰ء کے پہلے مہینوں میں ختم ہو چکا ہے ایک سرکاری ملازم کو خانہ شماری کے لئے درج ذیل کام انجام دینے تھے۔

(۱) تقریباً ۱۳۰ مکانوں کو شمار کرنا۔

(۲) ہر مکان میں جس قدر خاندان رہتے تھے ان کو شمار کرنا۔

(۳) ہر مکان کے صدر دروازے پر نمبر ڈالنا اگر ایک گھر میں ایک سے زیادہ خاندان رہتے ہوں تو گھر کے نمبر کے ساتھ ساتھ بریکٹ میں خاندانوں کی تعداد کا نمبر ڈالنا۔

(۴) اس حلقہ کے مکانوں کا ایک نقشہ بنا کر مردم شماری دفتر میں داخل کرنا۔

حلقوں کے یہ نقشے انتہائی اہم ہیں کیونکہ انھیں نقشوں کی بنا پر مردم شماری کی جائے گی۔ جو گھر یا ٹولے گاؤں یا حلقے خانہ شماری سے رہ گئے ہیں وہ مردم شماری کے وقت بھی چھوٹ سکتے ہیں۔ اس لئے عوام اور مردم شماری کمیٹی کا فرض ہے کہ وہ ہر گھر یا رہائش گاہ کو شمار کرا دیں تاکہ آئندہ مردم شماری میں آسانی کے ساتھ پوری آبادی کو شمار کر لیا جائے۔

جائزہ طریقہ

مردم شماری کمیٹی مندرجہ ذیل طریقے پر پتہ چلا سکتی ہے کہ کون سا گھر شمار کر لیا گیا ہے۔ اور کون سا گھر یا علاقہ ابھی تک شمار میں نہیں آیا ہے۔ گھر کے صدر دروازے پر یا اس کے آس پاس تارکول، چونے، گیرو، سفیدی، یا کسی بھی رنگ سے لکھا ہوا یا مٹی یا لکڑی سے کٹا ہوا نمبر پڑا ہے یا نہیں۔ یہ نمبر ٹاؤن ایریا، کارپوریشن یا میونسپلٹی کے نمبر سے الگ ہوتا ہے اگرچہ بعض جگہ خود خانہ شماری کے سرکاری کارندوں نے مقامی نمبروں کو اپنا نمبر تسلیم کر لیا ہے۔ اس کا پتہ آپ کو صرف سرکاری مردم شماری آفس سے چل سکتا ہے، کہ خانہ شماری میں کس طرح کے نمبر ڈالے گئے ہیں۔ بعض جگہ یہ بھی ہوا ہے کہ سرکاری کارندوں نے خانہ شماری کے تو نقشے بنا کر مردم شماری کے دفتروں کو دے دیئے ہیں، مگر گھروں پر نمبر اس ڈر سے نہیں ڈالے ہیں کہ وہ فروری تک کہیں مٹ نہ جائیں اور نمبر ڈالنے کے کام کو خانہ شماری کا جائزہ لینے کے وقت کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ جو ۱۵ر دسمبر ۱۹۷۰ء سے شروع ہوگا اور ۳۱ر دسمبر تک مکمل کر لیا جائے گا۔

خانہ شماری میں حلقے بلاک وغیرہ کے بھی نمبر شامل ہوں گے لیکن اس سے زیادہ تفصیل جاننا ہمارے لئے غیر ضروری ہے۔

(۲) گھر والوں سے دریافت کیجئے کہ اس سال کوئی یہ دریافت کرنے کو نہیں آیا تھا کہ گھر میں کتنے کمرے ہیں۔ مکان ذاتی ہے یا کرایہ کا گھر پختہ ہے یا کچا گھر میں کوئی اور کرایہ دار تو نہیں رکھا ہوا ہے وغیرہ۔

غلطی کی اصلاح

اگر ایک گھر سے یہ پتہ چلے کہ وہاں کوئی اس قسم کی باتیں دریافت کرنے نہیں آیا، تو آس پاس کے گھروں میں دریافت کیجئے اور جب یہ یقین ہو جائے کہ ایک گھر یا کچھ گھر یا پورا علاقہ خانہ شماری سے رہ گیا ہے تو اس شکایت کو لکھ کر مقامی مردم شماری دفتر کو دیجئے اور افسران متعلقہ سے مل کر بتا دیجئے کہ ہمیں شک ہے کہ فلاں محلہ میں اتنے مکانات خانہ شماری سے رہ گئے ہیں۔ مہربانی سے آپ اس کا جائزہ لے لیجئے سرکاری افسر یہ اطلاع پا کر اس حلقہ کا خانہ شماری کا نقشہ نکال کر دیکھ لے گا اگر آپ کے شکایت کردہ علاقے یا گھر شمار ہو چکے ہیں تو آپ کو ان گھروں کا نمبر بتایا جا سکتا ہے۔ اور اگر وہ علاقے واقعی خانہ شماری سے چھوٹ گئے ہیں تو وہ سرکاری کارندہ بھیج کر ان گھروں کو شمار کروا لے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی مقام پر یہ کام اتنی آسانی سے نہ ہو سکے ایسی صورت میں آپ مردم شماری کے بڑے افسروں سے ملئے اور ان کو بھی اپنی شکایات لکھ کر دیجئے وہاں بھی کام نہ بنے تو انجمن ترقی اردو کی مردم شماری کمیٹی لکھنؤ کو لکھئے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھئے جب تک کہ آپ کے بتائے ہوئے گھروں کو شمار نہ کر لیا جائے اور آپ کو ان کے نمبر نہ معلوم ہو جائیں۔ یہ انتظار نہ کیجئے کہ دسمبر میں جب گھروں پر نمبر پڑ جانے لازمی ہیں تو جائزہ لے لیا جائے گا۔ دسمبر کے بعد اتنا وقت نہیں رہ جائے گا کہ ہر شکایت کی تلافی ہو جائے۔

خاندانوں کا شمار

(۳) جہاں تک خاندانوں کے شمار کا تعلق ہے اس میں سرکاری کارندے عموماً ناکامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور صرف عوامی انجمنیں یا کمیٹیاں ان کی مدد کر سکتی ہیں۔ مثلاً سرکاری ضابطے کے مطابق ایک گھر میں صرف ایک خاندان کو رہنا چاہئے لیکن کرایہ دار اس گھر کے کچھ حصہ میں ایک یا دو یا کچھ خاندانوں کو صفت کرایہ سے کر رہا ہے عموماً ایسے خاندانوں کے وجود کا علم بھی سرکاری آدمیوں سے چھپایا جاتا ہے کیونکہ ڈر ہوتا ہے کہ مالک مکان گرفت میں نہ آ جائے۔

جہاں تک مردم شماری کا تعلق ہے اس کے سلسلے میں حاصل کی ہوئی اطلاعات کی بنیاد پر مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا ہے۔ اس لئے عوام کو سمجھانا چاہئے کہ وہ بغیر کسی خوف کے اپنی تعداد خانہ شماری کے کارندوں کو بتا دیں۔ یا مردم شماری کے دفتر میں جا کر اندراج کرا دیں۔ اگر مکان کا نمبر ۴۲ ہے تو ان خاندانوں کا نمبر ۴۲ ① ۴۲ ② ۴۲ ③ ہو جائے گا۔

نئے مکان

اگر خانہ شماری کے بعد دو گھروں کے درمیان کوئی نیا مکان بن جاتا ہے یا بالکل ہی چھوٹا چھپر پڑ جاتا ہے، یا ٹین ڈال کر کوئی رہنے لگتا ہے تو اس کو بھی اس طرح شمار کیا جائے، جیسے کسی بڑی کوٹھی کو اور کوٹھی کی طرح اس چھپر یا ٹین کو بھی ایک نمبر دے دیا جائے گا۔ چونکہ سب مکانوں پر مسلسل نمبر ڈالے جا چکے ہیں۔ اس لئے اس کو الگ نمبر تو نہیں دیا جا سکے گا البتہ نئی رہائش گاہ کے قریب ترین مکان کا نمبر اگر ۲۰ ہے تو نئے مکانوں کو ۲۰/۱، ۲۰/۲ کے نمبر دئے جائیں گے۔

سارے ہندوستان کی خانہ شماری اور مردم شماری کرانا بذات خود بہت بڑا کام ہے مردم شماری کے سرکاری مرکزی دفتر نئی دہلی سے مندرجہ بالا امور مفصل ہدایات اور اطلاعات سرکاری عملے کو بھیجے جا چکے ہیں۔ لیکن اہل کار خواہ کتنی ہی دیانت داری کا کام کیوں نہ کریں پھر بھی کچھ نہ کچھ کام چھوٹ سکتا ہے اسی لئے عوامی جماعتوں اور مقامی لوگوں کا فرض ہے کہ وہ ہر چھوٹے ہوئے اور بھولے ہوئے گھر یا آدمی کو شمار کرا دیں اور ہمیں مطلع کرتے رہیں تاکہ دفتر بھی ان کو اپنی کارروائی سے باخبر کرتا رہے۔

نثار احمد فاروقی

مولوی حفیظ الدین احمد

(حالات کا ایک نیا ماخذ)

منشی حفیظ الدین فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں مدرس تھے۔ اور اپنی تصنیف "خرد افروز" کی وجہ سے متعارف ہیں۔ یہ ۱۸۰۵ء میں کلکتہ سے چھپی تھی اور اب چند سال قبل مجلس ترقی ادب لاہور نے بھی اس کا نیا ایڈیشن شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ حفیظ الدین نے ایک کتاب مخزن الفوائد بھی لکھی تھی۔ اس کا ایک نسخہ میرے ذخیرے میں ہے یہ ۹ × ½ ۱۲" پر لوہے کے چھاپے میں طبع ہوئی تھی صفحات ۲۲۸، مسطر ۲۶ سطری۔

فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کی تاریخ اور حالات لکھنے والوں میں سے کسی نے اس کتاب کا ذکر نہیں کیا ہے۔ مخزن الفوائد کے پہلے صفحے کی عبارت یہ ہے۔

"اللہ اکبر کتاب مخزن الفوائد تالیف مولوی حفیظ الدین احمد بردوانی مرظلہٗ کہ فی الحقیقت خزینۂ فوائد درحق طالبان گنجینۂ جوائز است بامداد و اعانت منشی کاظم علی صاحب وکیل سررشتہ عدالت ضلع ہوگلی در شہر جمادی الاول سنہ ۱۲۵۵ ہجری قدسی مطابق ماہ جولائی سنہ ۱۸۳۹ عیسوی مطبع حاجی ولیج الدین محمد مہتمم ماہ عالم افروز بقالب طبع در آمد و کم پوزی سید جناب علی ضلع ہوگلی"

کتاب کی زبان فارسی ہے اور ساری کتاب کو ۱۶ فائدوں (ابواب) میں تقسیم کیا ہے، جو یہ ہیں:

(۱) فائدہ اول در دانش مشتمل بر سہ باب (۲) فائدہ دوم در کاغذات شرعیہ۔ (۳) فائدہ سوم در سیاق مشتمل بر سہ فصل (۴) فائدہ چہارم در بعض حالات متعلقہ کرہ افلاک بعین ہیئت بیان (۵) فائدہ پنجم در تقسیم ربع مسکون (۶) فائدہ ششم مشتمل بر دو فصل۔ فصل اول در ذکر حکما و عقلا و بعضے از اقوال لقمان فصل دوم در کلمات تربیت (۷) فائدہ ہفتم در قصص و حکایات و نقلیات (۸) فائدہ ہشتم در لطائف و ظرائف (۹) فائدہ نہم در اشعار فارسی و ہندی کہ ارباب طرب فی زماننا اکثر می سرایند و سماع آں باعث فرح و سرور و لہا می گردد (۱۰) فائدہ دہم در تذکرہ بعض اولیائے دہلی (۱۱) فائدہ یازدہم در ذکر سلاطین تیموریہ (۱۲) فائدہ دوازدہم در ذکر تسلط سرکار دولت مدار انگریزی بر مملکت ہند (۱۳) فائدہ سیزدہم در بعضے از نقد و لبر و پری چہر تالیف ایں فقیر (۱۴) فائدہ چہاردہم در مجربات طبی (۱۵) فائدہ پانزدہم در معالجات اسپ (۱۶) فائدہ شانزدہم در متفرقات بعض تذکرہ نگاروں نے حفیظ الدین کے والد کا نام بلال الدین لکھا ہے (مثلاً حامد حسن قادری: داستان تاریخ اردو/ ۱۲۰) مخزن الفوائد کے مقدمے میں ہلال لکھا ہے، ان کا لکھا ہوا ترجمہ یہ ہے:

"می گوید احقر العباد حفیظ الدین احمد بن ہلال الدین محمد ولد محمد ذاکر الصدیقی البردوانی کہ ایں کمترین از عنفوان ظہور صبح جوانی تا مدت ہفت سال در مدرسہ عالیہ سرکار دولت مدار کمپنی انگریز بہادر دام اقبالہ واقع دار الامارت کلکتہ جلئے گیر داشتہ بہ تحصیل علوم معقول و منقول و درس و تدریس کتب فقہ و اصول شاغل بودہ، بامید حصول عہدۂ مولویت ضلع یا افتائے دار و سائر بحضور حاکم اول عدالت معظمہ صدر جناب ہربرٹ ہارنگٹن[1] صاحب پیش قاضی القضاۃ نجم الدین خاں مرحوم بخوبی تمام امتحان کتب فقہ دادہ سرتال وامید وارے از خدمات مرقومہ شدہ۔ چوں جائے خالی ندید و ہمدراں ایام بنائے کالج کلکتہ گردید و قصد روزگار آنجا نمود و بموجب تجویز جناب گلاڈون صاحب در تفریق فارسی بعہدۂ نیابت میر منشی مقرر شد۔ ازاں ہنگام تا ایں زماں کہ قریب سی و پنج سال است بملازمت صاحبان دولت و اقبال و ناظمان ملک و مال بسر برد۔ ازاں جملہ پنج سال در کالج بعہدۂ مذکور الصدر پیش صاحبان والا مناقب جان بلی صاحب و لیفٹنٹ ڈن صاحب در تقدیم امور مفوضہ مامور بود و حسب الایمائے جان گلکرسٹ صاحب و ترتیب "قانونچہ زبان اردو" و تالیف نسخۂ خرد افروز پرداختہ بحکم صاحبان عالی شان کونسل مورد انعام گشت۔ بعدہ چوں تمنائے سیر ہندستان دامن گیر حال ارادت اشتمال گردید برضا و رغبت خود از عہدہ مذکور مستعفی شد بر طبق یاوری آقائے نامدار خداوند کامگار از بل سر چارلس تیافلس مٹکف[2] صاحب بہادر دام دولتہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بعلاوہ ذی شوق در ہنوئی خود رہگرای آں سمت گردیدہ تا مدت پانزدہ سال ہمراہ رکاب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ در لشکر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جنرل لارڈ لیک بہادر و جنرل ولیم ڈوو منٹول بہادر و مقام لاہور و لشکر مہاراجہ دولت راؤ سیندھیا و دار الخلافت

---

[1] HERBERT HARRINGTON

[2] SIR CHARLES THEOFLES METCALF

شاہ جہان آباد بہ تقدیم خدمات عمدہ سرگرم ماند و از حکم حضور فیض معمور صدر دارالامارت کلکتہ کہ بذریعہ تفضلات خداوندی ام دام اقبالہ اصدار یافت، سالے اوّل در لاہور و دو سال در دہلی بعہدۂ ریاست دارالانشاء و رزیڈنسی ممتاز و مورد عنایات بود۔ ہر گونہ خدمات متعلقہ آں را حسن انجام داد و نیز در دہلی بادشاہ فیض بنیاد و آقائے نامدار در نوشت و خواند ہر قسم کاغذات عدالت وغیرہ می پرداخت۔ بسبب ضرورت کہ عزیمت وطن واجب افتاد و حصول رخصت بسبب آنکہ از باعث بعد مسافت بکثرت ایام مراجعت متصور نبود و متعذر داشت اواخر عہد حکومت خدایگان سموالمکان خود استعفائے عہدہ گذرانید و بہمین توجہات خداوندی درخواست استعفا بحکم منظوری و تمام تر رضامندی آں جناب از کاردانی و رساکاری ایں کمترین مزین گشت و داد اوّل عہد صاحب عالی مناقب جنرل داود اخترلونی[۲] بہادر بخلعت پنج پارچہ و سرپیچ مرصع سرفراز گردیدہ شرف اختصاص یافتہ بجرگۂ سمت وطن شد و چندے خانہ نشین ماند۔ دراں مدت اکثر اوقات محظور خاطر فاتر می گردید کہ ہم چناں کہ سابق یک دو نسخہ بزبان اردو تالیف نمودہ، حرفے چند از عربی و فارسی ہم بقید قلم در آوردہ بر صفحۂ روزگار یادگار بگزارد و لیسبب عوارض جسمانی و مکارہ روحانی صورت نمی بست و بمقتضائے الامور مرہونۃ باوقاتہا، موقوف بر وقت بود۔ الحمد للہ والمنۃ کہ بتوفیقات او تعالیٰ سبحانہٗ و کثرت آلائہٗ و امداد جوہر شناسی و قدر دانی جناب آقائی ازلی بہادر ممدوح کہ آستان دولت و ظل مرحمت آں جناب بدستور پرورش گاہ ایں بے بضاعت و شکر احسان بے پایان او . . . . . خارج از حوصلۂ بشریت است، بمقام دارالامارت کلکتہ در عہد حکومت . . . لارڈ ولیم بنٹنک[۳] بہادر محظور خاطر و متخیلۂ خیال ایں اختصاص خصال از نہاں خانۂ بطون بجلوہ گاہ ظہور در آمد در سنہ یک ہزار و دو صد و چہل و شش ہجری مطابق یک ہزار و ہشت صد و سی و یک عیسوی[۴] از تالیف رسالۂ محتوی بر مسائل عربی با ترجمہ فارسی مسمّٰی "تادیب المنکرین" در بیان فضیلت توسل ازدواج صالحین زرانشا ورزیدہ بعد آں سال جزوے چند از نسخۂ ہذا نیز بطریق تسوید در آوردہ فاما از باعث عدم فرصت اتفاق تکمیلش نیفتادہ بود۔ بعونہ تعالیٰ . . . . . . دریں سال میمنت فال یک ہزار و دو صد و پنجاہ و یک ہجری نبوی صلعم موافق سنہ یک ہزار و ہشت صد و سی و شش[۱] عیسوی کہ بعد از نہضت فرمائی لارڈ بہادر ممدوح سمت ولایت انجام حکومت و فرمانروائی ایں دیار بعہد اقتدار ذات . . . . ازلی بہادر . . . . . مفوض و از توجہات خداوندی . . . . . . ایں فدوی نمک خوار بعہدۂ صدر امینی اعلائی ضلع بست و چہار پرگنہ معزز و ممتاز است نسخۂ ہذا نیز بعبارت فارسی بے تکلف سادہ حسن اختتام یافت و بنظر ثانی مرتب و مکمل گشت . . . . . . و از آں جا کہ مدار ترتیب نسخۂ ہذا بر تالیف است نہ بر تصنیف بعضے عبارات و کلام غیر را کہ بنظر آید محمول بر سرقہ نکنند و بعضے اشخاص کہ بیشتر ازیں نقل جزوے چند سابق الذکر رغبت گرفتہ اند باید کہ آں را بے ترتیب و ناتمام پنداشتہ اگر خواہند ثانیاً بہ گرفتن نقل ایں نسخۂ مرتب و مکمل اقدام نمایند و چوں کتاب ہذا مرتب بر شانزدہ فوائد است مخزن الفوائد نام نہادہ شد . . . . "

مخزن الفوائد کے اس دیباچے سے حفیظ الدین احمد کے بارے میں نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں، جن کی روشنی میں ان کا تذکرہ قدرے تفصیل سے لکھا جاسکتا ہے۔ میری کتاب اچھی حالت میں ہے لیکن جلد بندی کے وقت کسی نے اوراق بے ترتیب کر دیے ہیں اور اسے دوبارہ مجلد کرانے کی ضرورت ہے۔

کتاب کی پہلی فصل اصول و قواعد انشا سے متعلق خاصی تفصیل سے ہے۔ دوسری فصل میں کاغذات کچہری کی نقلیں دی گئی ہیں ان میں بعض مقدمات خود حفیظ الدین احمد کی عدالت سے علاقہ رکھتے ہیں۔

---

[۱] ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۶ء

[۲] GEN. DAVID OCTAR LONI

[۳] WILLIAM BENTINCK

[۴] ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء

"ہماری زبان" کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ خیال رہے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف صاف لکھے ہوں۔ (ادارہ)

مراسلات

نسخۂ بلگرامی کیوں؟

جناب اقتدار حسین خاں کا تہِ دل سے ممنون ہوں کہ موصوف نے میرے طالب علمانہ مضمون بعنوان "مخطوطۂ گلِ رعنا بخطِ غالب" کو پسند کیا۔ لیکن یہ شکوہ بھی ہے کہ آپ نے عالمانہ ارشاد فرما کر اظہارِ پسندیدگی میں حد درجہ غلو سے کام لیا ہے۔ اسی کے ساتھ مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ اگر اقتدار صاحب مقدمۂ گلِ رعنا شائع کردہ جناب مالک رام بغور ملاحظہ فرماتے تو شاید مجھ سے یہ سوال نہ فرماتے کہ میں نے نسخۂ بلگرامی کیوں لکھا۔ بہرحال اس سلسلے میں عرض کرتا ہوں کہ

(۱) گلِ رعنا کا وہ مخطوطہ جو خانوادۂ سید کرم حسین بلگرامی سے جناب مالک رام کو پہنچا اپنی اس تاریخی نسبت کی وجہ سے منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

(۲) اسی طرح وہ مطبوعہ گلِ رعنا جو مالک رام صاحب نے شائع فرمایا ہے جداگانہ خصوصیات اور محاسن کا حامل ہے۔

(۳) مخطوطے کو نسخۂ مالک رام کہنے سے اس نسخے کی تاریخی نسبت اور اہمیت کو زک پہنچتی ہے جو مالک رام صاحب کو بھی گوارا نہ ہوگی۔

(۴) نسخۂ مطبوعہ اور نسخۂ خطی دونوں کو ایک ہی نام سے پکارنے میں التباس ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۵) اس التباس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ مطبوعہ نسخے کا مقدمہ اور حواشی مرتب کرنے پر مالک رام صاحب نے جو محنت کی ہے اس کا بھی اعتراف نہیں ہوتا۔

اس لئے اگر مخطوطے کو نسخۂ بلگرامی میں نے لکھا تو مطبوعہ و خطی کے درمیان التباس سے بچا اور دونوں نسخوں کی اپنی اپنی اہمیت اور قدر و قیمت کا اعتراف مقصود تھا (میری رائے میں مجھے اس کا حق اس لئے بھی پہنچتا ہے کہ میں اصل کو بہت پہلے بالتفصیل دیکھ چکا ہوں)

ایک اور گزارش بھی ہے اور وہ یہ کہ خود جناب مالک رام نے مطبوعہ نسخے میں خطی نسخے کے سینۂ مالک آدمین اور ان کے اخلاف کا حسب نسب بیان کرتے ہوئے خاصی تفصیل سے کام لیا ہے۔ اتنی تفصیل سے کہ اکتالیس صفحات کے مقدمے میں یہ حکایت پورے آٹھ صفحات تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگر میں غلط نہیں سمجھا تو اس تفصیل سے مالک رام صاحب کا مقصود بھی خطی نسخے کے پایۂ استناد کو مضبوط کرنا تھا۔ جو نسبت بلگرامی کا اظہار کئے بغیر ممکن نہ تھا۔ ورنہ وہ بآسانی اس موقع پر بھی سرسری گزر جاتے جس طرح وہ گزشتہ مواقع پر ہوا تھا۔ مالک رام صاحب کے پچھلے بیانات ملاحظہ ہوں۔

الف

"خوش قسمتی دیکھئے کہ ۱۹۵۷ء میں میرے ایک مہربان دوست نے اچانک اس کا ایک مکمل نسخہ مجھے تحفے میں دیا۔ میرے علم میں یہ اس کتاب کا واحد نسخہ ہے" (نگار جولائی ۱۹۶۰ء)

ب

"چند سال ہوئے مجھے اس کتاب کا مکمل خطی نسخہ حیدرآباد کے ایک قدیم علمی خاندان سے دستیاب ہو گیا۔ میرے علم میں دنیا بھر میں اس کتاب کا یہ وحید نسخہ ہے" (نذر ذاکر ۱۹۶۸ء)

خلاصۂ کلام یہ کہ جس طرح مخطوطے کی اہمیت کا احساس فرما کر اس کی نسبت بلگرامی کا اظہار مالک رام صاحب نے اپنے مطبوعہ نسخے کے آٹھ صفحوں میں کیا اسی طرح میں نے مضمون کی گنجائش کے لحاظ سے نسخۂ بلگرامی نام دے کر قدر و قیمت کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ اس معاملے میں میری حیثیت مالک رام صاحب کے مقلد کی ہے۔

اب اقتدار صاحب کے دو سوال باقی رہتے ہیں۔

پہلا یہ کہ گلِ رعنا مطبوعۂ لاہور کا تذکرہ میں نے کیوں نہیں کیا؟ میں عرض کروں گا کہ میرا مضمون گلِ رعنا کے بخطِ غالب نسخے سے متعلق تھا اور گلِ رعنا کے معلومہ خطی نسخوں کا تذکرہ میں نے بخطِ غالب نسخے کی اہمیت جتانے کے لئے کیا تھا۔ اسی میں نسخۂ بلگرامی کا بھی تذکرہ ہوا اور ضمنی طور پر طبع مالک رام کا حوالہ آگیا۔ پھر جو امر اقتدار صاحب کے علم میں ہو ضروری نہیں کہ وہ میرے محدود علم میں بھی شامل ہو۔ طبع لاہور کے بارے میں مجھے کوئی اطلاع نہ تھی۔ اقتدار صاحب کا شکریہ لازم ہے کہ موصوف نے میری معلومات میں اس بہانے اضافہ کیا۔ خود مالک رام صاحب کو بھی طبع لاہور کا صرف متن ملا تھا ظاہر ہے کہ مالک رام صاحب کو مجھ سے زیادہ جستجو رہی ہوگی اس نامکمل کتاب ہی کا حوالہ مالک رام صاحب نے اپنے مقدمے میں دیا ہے۔ اب مراسلہ نگار خود فرمائیں ان کا یہ مطالبہ کس حد تک جائز ہے۔

رہی دیوانِ غالب بخطِ غالب نسخۂ عرشی زادہ کی بات۔ تو صاحب مجھے اس کی کسی تاریخی نسبت کا علم نہیں تھا جیسی تاریخی نسبت گلِ رعنا زیرِ بحث کو خانوادۂ بلگرامی سے ہے۔ اگر علم ہوتا تو میں یقیناً اسے ترجیح دیتا اور جس حد تک علم تھا اس کا اظہار "بخطِ غالب" کی صورت میں کر بھی دیا۔ گلِ رعنا مرتبۂ مالک رام کی اشاعت سے پہلے میں نسبت بلگرامی سے واقف نہ تھا اور اسی وقت میں نے بھی اسے

نسخۂ مالک رام ہی کہا تھا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا نسخۂ عرشی زادہ سے کوئی ایسی اہم تاریخی نسبت وابستہ نہیں (مقامی تعصبات کو چھوڑ دیجئے) اس لئے کئی ماہ کی محنت اور ہزاروں روپے خرچ کرنے کے بعد اگر میں نسخۂ عرشی زادہ نام دیتا ہوں (اور پاکستانی یا پاکستان نواز اور وطن دشمن پروپیگنڈے سے آپ بھی میرے بعض دوستوں کی طرح فریب میں نہیں) اور اس کی اشاعت میں اولیت کا شرف بھی مجھے حاصل ہے تو کیا میں نے کوئی تکلیف وہ کام کیا ہے نسخۂ عرشی زادہ لکھ کر۔

بہر حال معلوم ہوا کہ دیوان غالب بخط غالب کے ساتھ کوئی تاریخی نسبت نہیں۔

رامپور • اکبر علی خاں عرشی زادہ •

اردو نصاب کی ترتیب و تدوین

مورخہ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۷۰ء کے ہماری زبان میں جناب احمرین نورانی صاحب کا خط شعبۂ اردو گورکھپور یونی ورسٹی کے بارے میں شائع ہوا ہے۔ انھوں نے جن امور کی طرف اشارہ کیا ہے ان سے سر دست مجھے بحث نہیں۔ صرف نصاب کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں اس مسئلہ کو صاف کر دینا چاہتا ہوں تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

نورانی صاحب کے ذہن میں وہ نصاب ہے جو یہاں شعبۂ اردو کے بعض اساتذہ نے مل کر مرتب کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ موضوعات کے اعتبار سے یہ ایک وسیع نصاب ہوگا اور یہ مکمل بھی ہو چکا ہے مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے طباعت کی نوبت نہیں آسکی ہے۔ مگر اس کا تعلق انجمن اساتذہ اردو ہند سے نہیں ہے بلکہ دلّی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے اساتذہ نے مرتب کیا ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ دوسری درس گاہوں کو اس کورس کے لئے پابند کیا جائے۔

اس کی ہم کو خوشی ہے کہ گورکھپور یونی ورسٹی نے اپنا کورس مرتب کرنے کا پلان بنایا ہے۔ ہر یونی ورسٹی کو حق ہو چکا ہے کہ وہ اپنی ضروریات کے مطابق نصاب کی ترتیب دے اور تعلیمی نقطۂ نظر سے بھی یہ کوئی صحت مند علامت نہیں ہے کہ ہندوستان کی تمام یونی ورسٹیوں میں صرف ایک کورس پڑھایا جائے۔

دلّی یونی ورسٹی • ظہیر احمد صدیقی

شری برہم ناتھ دت قاصر

باباگورو نانک دیو

تیرے مستوں کی نگاہوں میں محبت جلوہ بار
تیرے ساغر میں چھلکتی ہے شراب بے خمار
تیری بھگتی عشق اور اخلاص کی آئینہ دار
تیری درویشی کی راہوں میں شہنشاہی غبار
تیری شکشا کا یہی مقصد یہی تیرا شعار
آشنا پر آشنا ہوں صورت موج و کنار
اسود و ابیض ادب آموز مکتب میں ترے
مشرق و مغرب میں یکساں تیری تعظیم و وقار
ہیں مؤدب آج بھی اہل صفا تیرے حضور
زندۂ جاوید ہے روحوں پہ تیرا اقتدار

چل رہی ہے ہر طرف باد سموم حرب و ضرب
صلح کل کی آرزو ہے روح انساں کی پکار
تیرے مے خانے میں نانک اب ہے شراب صلح کل
جس کا ہر قطرہ کلید فتح باب صلح کل
تیری نظروں میں نہیں تفریق شیخ و برہمن
جو ترا پیرو ہے وہ ہے باریاب صلح کل
باعث تسکین و اطمینان قلب و روح ہے
زمزمہ زا، نغمہ گر، تیرا رباب صلح کل
تیرے گیتوں کے سبد دارائے حسن لازوال
تیرے نغموں کی فضاؤں میں شباب صلح کل
شانتی کا تو رشی تو امن کا پیغام بر
تجھ پہ اتری عرش فطرت سے کتاب صلح کل
خشک سالی کو بہاری پھر سے ہے تیری تلاش
کشت عالم پر برس بن کر سحاب صلح کل
گیان کا قلزم ہے تو عرفاں کا معدن ہے تو
دھیان کا مسکن ہے تو ایماں کا مامن ہے تو

•

مردم شماری کا ابتدائی کام شروع ہو گیا ہے مکانوں پر نمبر لگ گئے ہیں۔ آپ یہ دیکھ لیجئے کہ آپ کے مکان پر نمبر لگایا گیا ہے یا نہیں اگر نہیں لگا ہے تو اپنی انجمن کی شاخ کے نمائندوں کے ذریعہ سے ضلع کے حکام کو مطلع کیجئے مردم شماری کے کارکن صرف ان مکانوں پر اندراجات کے لئے آئیں گے جن پر نمبر لگا ہے۔

ہماری زبان

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

انجمن کی خبریں

امرتسر میں شاندار مشاعرہ

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ امرتسر اور فیلڈ پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ حکومت ہند امرتسر کے اشتراک عمل سے ایک عظیم الشان مشاعرہ زیر صدارت شری درگا داس صاحب بھاٹیہ ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا جس کا افتتاح جناب کے۔ ایس ہینس آئی۔ اے۔ ایس ڈپٹی کمشنر امرتسر نے فرمایا۔

ڈپٹی کمشنر صاحب نے اپنی افتتاحیہ تقریر میں اردو زبان کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کا ذکر بڑے شاندار الفاظ میں کیا اور فرمایا کہ آج بھی اردو مشاعروں میں بڑی کشش اور دلچسپی سے لوگ حصہ لیتے ہیں۔ اس لئے اس کی ترویج و ترقی کی طرف خاص طور پر دھیان دینا چاہیے۔

مشاعرہ میں جناب لسان الاعجاز رائج کوی میلارام صاحب وفا، صابر ابوہری ایم۔ اے، ذبیار صابر پٹیالہ، پورن سنگھ ہنر، رائے بہادر پرکاش چند جہرہ، آتم ہوشیار پوری، کندن لال کلیش، کشور چند باقی، دوھاتا سنگھ کمال، ادم پرکاش عاقب جالندھر، پروفیسر نندہ صاحب ترنم دہلوی اور رواز سنتو کھ سری نے شرکت فرمائی۔

مشاعرہ رات کے ۹ بجے شروع ہو کر بڑی کامیابی کے ساتھ بارہ بجے رات تک جاری رہا۔ ٹاؤن ہال میں شائقین مشاعرہ بھاری تعداد میں شامل ہوئے۔ اسٹیج سکریٹری کے فرائض جناب صابر ابوہری نے انجام دئے۔

اس مشاعرہ کو کامیاب بنانے میں جناب رام لال بھنڈاری ایڈیٹر جان نثار جناب کے۔ آر۔ دھیر صاحب اور جناب ایس کے۔ چوپڑہ نے بڑی دلچسپی لی۔ جس کے لئے ہم ان کے سپاس گزار ہیں۔

• پورن سنگھ ہنر سکریٹری

انجمن ترقی اردو (آندھرا) کا سالانہ اجتماع

حیدرآباد: انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کا سالانہ اجتماع اس بار کرنول میں ۱۲ر اور ۱۳ر دسمبر کو ہوگا۔ اس سلسلے میں ایک مجلس استقبالیہ تشکیل دی گئی ہے جس کے صدر جناب محمد ابراہیم خاں ایڈوکیٹ اور معتمد جناب نور احمد منتخب ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ استقبالیہ کمیٹی میں کرنول کے سرکردہ اصحاب کو شریک کیا گیا ہے۔ مجلس استقبالیہ کے نگراں پروفیسر نقیر باشاہ قادری پرنسپل اسلامیہ عربک کالج کرنول ہیں۔

• نامہ نگار

تعلیمی اداروں میں اردو کے مسائل پر غور، انجمن ترقی

اردو محبوب نگر (آندھرا) کا جلسہ

محبوب نگر: انجمن ترقی اردو ضلع محبوب نگر کے زیر اہتمام غالب ہال میں اردو دوستوں کا جلسہ منعقد ہوا۔ جسے جناب سرینواس لاہوتی آرگنائزنگ سکریٹری نے مخاطب کیا۔ جناب نصرت فاروقی معتمد انجمن ترقی اردو محبوب نگر نے رپورٹ پیش کی۔

جناب محمد عبدالعزیز شریک معتمد اور دیگر کارکنوں نے مباحث میں حصہ لیا۔ جلسہ میں مدارس میں اردو اساتذہ کی ضرورت جونیر کالج اور لکچراروں کی کمی اور اردو کے مسائل زیر بحث رہے۔ جناب محمد عبدالرزاق خاں صوفت نائب صدر انجمن ترقی اردو محبوب نگر نے صدارت کی۔ ایک قرارداد کے ذریعہ جونیر کالج محبوب نگر کے اردو سکشن بی۔ پی۔ سی کے لئے زوولوجی کے لکچرار کا جلد تقرر کرنے کی اپیل کی گئی۔

معتمد انجمن ترقی اردو ضلع محبوب نگر کی نمائندگی پر جناب سوما سندرم مہتمم تعلیمات محبوب نگر نے بیان کیا کہ جونیر کالج محبوب نگر میں حسب سابق سال رواں بھی اردو سکشن بی پی سی قائم کر دیا گیا ہے۔ سی۔ ای۔ سی کامیاب اردو طلبہ سے داخلہ کی خواہش ظاہر کی گئی ہے۔

• نامہ نگار

محبوب نگر (آندھرا) میں اردو کے مسائل

محبوب نگر: جناب سرینواس لاہوتی آرگنائزنگ سکریٹری انجمن ترقی اردو اور جناب نصرت فاروقی معتمد انجمن ترقی اردو محبوب نگر پر مشتمل ایک وفد نے کلکٹر ضلع محبوب نگر جناب اسداللہ سعید سے ملاقات کر کے انھیں ایک یادداشت پیش کی۔

یادداشت میں جونیر کالج محبوب نگر میں اردو سکشن بی۔ پی۔ سی کے لئے زوولوجی کے لکچرار کا بعجلت ممکنہ انتظام کرنے کی اپیل کی گئی ہے۔ یادداشت میں جڑچرلہ گورنمنٹ کالج جڑچرلہ میں اردو لکچرار کی جائداد کے استقلال، نیز اس کالج میں اردو لکچرار کے فوری تقرر، نیز فوقانی اور وسطانی مدارس کے اردو اساتذہ میں اضافہ کی درخواست کی گئی ہے۔ کلکٹر ضلع نے بحیثیت اسسٹنٹ کمشنر لسانی اقلیت ان مسائل پر ہمدردانہ غور اور حکومت کو توجہ دلانے کا یقین دیا۔

• نامہ نگار

اخبار و اذکار

اردو ہندوستان کی ملی جلی تہذیب کی علامت ہے

حیدرآباد ۔ اردو زبان ہندوستان کی ملی جلی تہذیب اور قوم کا قدیم ورثہ ہے۔ اس کو پاکستان کی زبان کہنا یا اس کو کسی فرقے سے منسوب کرنا شرارت ہے۔ شریمتی روڈا مستری وزیر بہبودی خواتین و سیاحت نے .... اشار اسٹوڈیو دیوان دیوڑھی میں بھارتیہ کلچرل اسوسی ایشن کی جانب سے منعقد کی گئی ایک شاندار رنگارنگ و مہرہ ملاپ تقریب کو مخاطب کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا۔

• قومی آواز

حلیم مسلم ڈگری کالج میں ایم اے درجات اردو میں

معلوم ہوا ہے کہ کانپور یونی ورسٹی کے وائس چانسلر شری رادھا کرشن اگروال صاحب نے اس سال حلیم مسلم ڈگری کالج کانپور کو اردو میں ایم۔اے درجات کھولنے کی اجازت دے دی ہے جس کے لئے وائس چانسلر صاحب قابل مبارکباد ہیں اب تک کانپور یونی ورسٹی کے نصاب میں اردو کا کورس شائع ہوتا رہا ہے مگر کسی کالج میں اردو میں ایم۔اے کلاسز نہیں ہوتے تھے۔ اردو طلبہ کے مستقبل اور اردو کی مقبولیت کے پیش نظر وائس چانسلر صاحب کا یہ اقدام قابل تحسین ہے اور ساتھ ساتھ حلیم مسلم ڈگری کالج کے لئے بھی یہ بات قابل فخر ہے کہ کانپور یونیورسٹی کا یہ پہلا کالج ہے جس میں ایم۔اے کے اردو درجات شروع ہو رہے ہیں۔

• سیاست

شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں یوم سرسید

اردو ٹے سلی (شعبہ اردو) کی جانب سے فیکلٹی آف آرٹس لاؤنج میں یوم سرسید کے سلسلے میں ایک خاص ادبی جلسے کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت جناب محمد فضل الرحمٰن پرو وائس چانسلر نے فرمائی جس میں شعبہ اردو کے اساتذہ اور طالب علموں کے علاوہ یونیورسٹی کے دوسرے معزز حضرات نے بھی کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اور متعدد اساتذہ کرام نے تقریریں کیں اور مقالے پڑھے۔

پروفیسر آل احمد سرور نے "سرسید کی جدیدیت" کے موضوع پر ایک بسیط اور جامع تقریر فرمائی۔ آپ نے اس سلسلے میں چند نکات اٹھائے اور ان پر وضاحت کے لئے روشنی ڈالی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں قدامت پرستی کا میلان اور ازمنۂ وسطیٰ سے شدید وابستگی نے سرسید کے کام کو اگرچہ مشکل بنا دیا لیکن انھوں نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل کوششوں سے اس قوم کی زندگی میں موجود معمولی سی چنگاری کو شعلۂ جوالہ بننے کی قوت عطا کر دی جو حرکت و عمل، فعالیت اور حریت فکر و نظر کے لئے وجہ جواز بن گیا۔

موصوف نے فرمایا کہ سرسید نے مسلمان قوم میں زندگی کے جدید تصورات کی دنیا آباد کرنے کے لئے ایک ہمہ جہت محاذ قائم کیا۔ سب سے پہلے انھوں نے روایت پرستی کے بجائے روایت شناسی پر توجہ دلائی اور زندگی کے تمام شعبوں میں سائنٹفک نقطۂ نظر اور عقلیت کو رہنما بنانے کا مشورہ دیا بعد ازاں اپنی جامع اور پہلو دار شخصیت سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے مذہب و ملت، معاشرت، سیاست و ادب سب کو یکے بعد دیگرے زندگی کی جدید توانائیوں اور وسعتوں سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔

اس کے بعد ڈاکٹر نورالحسن نقوی نے اپنا مفصل مقالہ پڑھا آپ کا پورا مقالہ دراصل معروضی انداز میں ان الزامات اور اعتراضات کے سلسلے میں ایک جائزہ تھا جو سرسید اور علی گڑھ تحریک پر کئے جاتے ہیں۔

اس کے بعد صدر شعبۂ لسانیات پروفیسر مسعود حسین خاں نے "سرسید اور اردو ذریعۂ تعلیم" کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ نے اپنی تقریر میں ان اسباب و علل کا جائزہ لیا جن کی وجہ سے سرسید نے ذریعۂ تعلیم کے سلسلے میں اپنے نقطۂ نظر میں غیر معمولی تبدیلی کی۔

موصوف نے کہا کہ یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ سرسید نے اگرچہ اردو کو کالج کے صحن سے دور رکھا لیکن اس کے باہر اردو کی ترویج و ترقی کے لئے کوشاں رہے انھیں اردو سے عشق تھا۔ ان کے بعد جناب قاضی عباد انصاری نے اپنے مخصوص ڈرامائی انداز میں تحریری شکل میں ایک مقالہ پڑھا جو سرسید کی حیات اور شخصیت پر مشتمل تھا۔ آپ نے فرمایا کہ گزشتہ صدی میں صرف دو شخصیتیں ہندوستان میں ایسی گزری ہیں جنھیں صحیح معنوں میں عظیم کہا جا سکتا ہے ایک سرسید دوسری گاندھی

ان کے بعد جناب محمد فضل الرحمٰن نے اپنی صدارتی تقریر میں سرسید کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ آج سرسید کی زندگی، تعلیم و تربیت کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ ایک صدی کے بعد بھی ہمارے لئے ہو بہو وہی مسائل موجود ہیں جن کا حل ماضی کی داستان نہیں بلکہ حال ہی حیات و موت کا مسئلہ ہے انھوں نے جس جذبہ اور شوق کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا اس سے ہمیں سبق لینا چاہئے سرسید کو اگرچہ حق نفوس اور مزاحمتوں کا گزر کر کامیابی نصیب ہوئی لیکن ان کی قیادت میں نکلا ہوا کارواں آج تک کسی نہ کسی طرح رواں دواں ہے اور آج بھی وہی جذبہ و جوش ہمیں کامیابی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

قاضی حبیب الرحمٰن ہاشمی سکریٹری

تبصرہ

محمد افضال اللہ

بھوپال اور غالب

مولف : عبدالقوی دسنوی
ناشر : شعبۂ اردو، سیفیہ کالج، بھوپال

سیفیہ کالج بھوپال کے شعبۂ اردو کے موجودہ صدر عبدالقوی دسنوی صاحب ایک معروف، صاحب نظر، اہل قلم ہیں، نامساعد حالات میں بھی علمی کاموں میں لگے رہنا اور کامیابی کی راہیں تلاش کرلینا موصوف کو خوب آتا ہے اپنے شعبہ کو موصوف نے جس طرح ترقی دی ہے اور اس کے نام کو روشن کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بقول پروفیسر نورالحسن ہاشمی ہر دل میں " اسے کم از کم ایک بار دیکھنے کی ہوس تو ضرور پیدا ہو جاتی ہے"۔

سال گزشتہ غالب صدی تقریبات کے سلسلے میں دسنوی صاحب نے ایک سے زائد کتابیں شایع کیں، یہ حقیقت بجائے خود ان کے فکر کے تنوع پر دال ہے، "بھوپال اور غالب" بھی اسی سلسلے کی ایک مختصر کتاب ہے جس کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس کے مطالعہ سے مولف کے قول کے مطابق "آپ کو غالب سے عقیدت ملے گی اور بھوپال سے محبت نظر آئے گی"۔ اس میں غالب کے بھوپالی احباب، تلامذہ اور عقیدتمندوں کے علاوہ "نسخۂ حمیدیہ" اور "مطالب الغالب" کا تذکرہ ملے گا، شنکر پرشاد جوش کا مختصر رسالہ "نوز مغلوبیت غالب" بھی جو اب نایاب ہو چلا ہے اس کتاب میں شامل ہے اس کے علاوہ مولوی محمد ابراہیم خلیل کی وہ غزل بھی جس کے مقطع میں "غالب میکش" تخلص نظم ہوا ہے اور جسے غلطی سے بعض لوگوں نے مرزا غالب سے منسوب کر لیا تھا، آخر میں درج ہے۔ غالب کو جو "بھوپال آنے کی دعوت" دی گئی تھی اس کی تفصیل بھی شروع کتاب میں قلمبند کر دی گئی ہے اس طرح کتاب میں موضوع سے متعلق تقریباً ساری اہم باتیں آ گئی ہیں۔

کتاب کی سب سے نمایاں خصوصیت اختصار ہے اور یہی اس کا حسن بھی ہے۔ صاف ستھری کتابت، اچھا کاغذ اور سادگی کے باوصف دلکش سرورق مولف کے شستہ اور شائستہ مذاق کا آئینہ دار ہے اور اس طرح یہ کہنا مبالغہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ صوری اور معنوی ہر طرح کے حسن سے آراستہ ہے، چھوٹی تقطیع پر ۱۲۸ صفحات کی اس کتاب کی قیمت صرف ڈھائی روپے ہے جو نہایت مناسب ہے، امید کی جاتی ہے کہ گوناگوں خوبیوں کے سبب یہ کتاب خواص اور عوام دونوں میں کافی مقبول ہوگی۔

▲

باقی صفحہ ۱۲ سے آگے

یہ آپ بیتی دراصل کوئی مربوط داستان نہیں ہے انھوں نے جو نوٹ آخر زمانے میں منشی نجم الدین کو لکھوائے تھے، ان کو سید محمد ذکی صاحب نے ضروری اضافوں کے ساتھ شایع کر دیا ہے اور ان کے جو مضامین مل سکے وہ بھی شامل کر دیے ہیں۔ کتاب کی زبان سادہ اور بقول ذکی صاحب کھری ہے مگر لکھنے والے کے خلوص، واقعات کی اہمیت، بے لاگ نظر نے اس میں بڑی جان پیدا کر دی ہے۔ اقبال کے الفاظ میں ان کا سبو مٹی کا ہے مگر اس میں شمشیر کی سی تیزی ہے۔

سرسید کے آخری زمانے، سید محمود کے تلون اور کالج کی مشکلات کا تذکرہ بڑا عبرت انگیز ہے۔ شبلی سید محمود کے بڑے حامی تھے۔ ٹرسٹی بل کے ہنگامے میں بھی انھوں نے سید محمود کا ساتھ دیا تھا۔ سید محمود گھنٹوں گپ لڑانے کے شایق تھے۔ شبلی کے پاس کئی دفعہ صبح کو گئے۔ یہ وقت ان کے لکھنے پڑھنے کا ہوتا تھا۔ آخر شبلی نے یہ بات سید محمود پر ظاہر کر دی۔ سید محمود کو ناگوار گزرا اور دونوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ سرسید کے ساتھ آخر زمانے میں سید محمود نے جو سلوک کیا اور جس طرح انھیں پہلے بورڈنگ ہاؤس میں اور پھر حاجی اسمٰعیل خاں کے یہاں منتقل ہونا پڑا، اس کا تذکرہ میر صاحب نے بے کم و کاست کر دیا ہے۔ مولانا شوکت علی نے جس طرح طالب علمی کے زمانے میں کرکٹ کی تمیدوں کے نام پر دہانٹ دے لینڈ لا کلکتہ سے ذاتی ضرورت کی چیزیں منگائیں اور اس پر ان کو میر صاحب نے فہمائش کی اس کا بھی حال درج ہے۔ ایک اہم بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ کالج میگزین ۱۸۹۱ء میں جاری ہوا۔ اولاً علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے ضمیمہ کے طور پر شایع ہوتا رہا۔ اس کے بعد علیحدہ چھپنے لگا۔ جب ماریسن پرنسپل ہوئے تو انھوں نے کالج میگزین پر بورڈنگ ہاؤس کے روپیہ کا قرض دیکھ کر اسے بند کرنا چاہا، مگر پھر یہ طے ہوا کہ ماریسن، شیخ ولایت حسین، عبدالقادر اور سجاد حیدر کے پرائیوٹ پرچے کی حیثیت سے شایع ہو۔ یہ بھی بڑی عبرت ناک بات ہے کہ سرسید کی تجہیز و تکفین کے وقت یہ سوال تھا کہ اخراجات کون پورے کرے گا، میر صاحب چندہ کرنے پر آمادہ تھے۔ بالآخر محسن الملک نے پچاس روپے یہ کہہ کر دیے کہ "یہ سید صاحب کا آخری چندہ ہے۔ پھر کب چندہ مانگنے آویں گے"۔ شبلی کے علی گڑھ سے جانے کی بھی اصلی وجہ میر صاحب نے بیان کی ہے۔ شبلی حاجی اسمٰعیل خاں کی کوٹھی میں رہتے تھے اور حاجی اسمٰعیل خاں کو سید محمود کے خلاف آمادہ کرتے تھے۔ اس لیے بیک نے شبلی سے کہا کہ آپ نے گرمی اور برسات میں علی گڑھ سے باہر رہنے کی اجازت حاصل کر لی تھی، اب کیوں نہیں تشریف لے جاتے۔ چنانچہ شبلی علی گڑھ سے چلے گئے۔

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

آل احمد سرور

میرا صفحہ

چند روز ہوئے مجھے میر ولایت حسین صاحب کی آپ بیتی دیکھنے کا موقع ملا۔ میر صاحب علی گڑھ والوں کے لئے ایک ایسی شخصیت تھے جن کا نام کرتے ہی، فرض شناسی، ایثار، خدمت، خلوص، محنت کی کتنی ہی رنگارنگ تصویریں آنکھوں میں پھر جاتی تھیں۔ میں جب ۱۹۲۴ء میں علی گڑھ آیا تو کچھ عرصے کے بعد میر صاحب سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان کی خصوصیات کا تذکرہ سن چکا تھا۔ آفتاب ہوسٹل کی تعمیر کے وقت میر صاحب روز وہاں نظر آتے تھے اور ڈپٹی حبیب اللہ کے دست راست تھے۔ جب وہ کسی محفل میں پہنچتے تو سب احترام اور عقیدت سے ان کا استقبال کرتے سادہ سے مزاج کے کچھ بدصورت سے آدمی تھے۔ سادہ وضع سے رہتے تھے۔ بات کم کرتے تھے، مگر دائے ہی کی دیتے تھے۔ ان کا یہ لطیفہ علی گڑھ میں مشہور تھا۔ کسی بڑے آدمی کو سپاس نامہ پیش کیا جانے والا تھا۔ میر صاحب نے کہا بھائی بات تو ذرا سی ہوتی ہے یہ آپ لوگ کس طرح اسے پھیلا کر پورے صفحے پر لکھ دیتے ہیں اور فریم میں جڑ کر اسے پیش کر دیتے ہیں۔ کمال ہے "یہ" اس واقعی بڑے آدمی کی ان چھوٹے آدمیوں پر ایک لطیف انداز میں طنز تھی جو نام نہاد بڑے آدمیوں کو سپاس نامے پیش کر کے خوش ہوتے ہیں۔

اب سید محمود تونکی صاحب کی عنایت سے میر صاحب کی آپ بیتی شایع ہوگئی ہے۔ تونکی صاحب نے اپنے پیش لفظ میں درست فرمایا ہے کہ ہماری سوسائٹی پوزیشن زدہ ہے میر صاحب کی آپ بیتی کا مسودہ کئی بڑے آدمیوں کے پاس رہا، چونکہ میر صاحب کی آپ بیتی شایع کرنے سے نہ حکومت خوش ہوتی نہ لیڈر، نہ اونچی سوسائٹی کے لوگ، اس لئے اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔ کسی وائس چانسلر نے بھی اس طرف توجہ نہ کی۔ بہر حال ہم سب کو تونکی صاحب کا ممنون ہونا چاہئے کہ ان کی ترتیب و تسوید کے بعد علی گڑھ کے ایک مایۂ ناز فرزند اور ایک بہت بلند مرتبہ انسان کی آپ بیتی منظر عام پر آرہی ہے جس میں ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ کی اچھی خاصی تاریخ آگئی ہے۔ اور جس میں سرسید، سید محمود، شبلی، بیک، مارین، مولانا شوکت علی، نواب وقار الملک، آفتاب احمد خاں کے متعلق بہت قابل قدر، دلچسپ اور معنی خیز اشارے ملتے ہیں۔ خود میر صاحب کی زندگی بڑے مشکل حالات میں تعلیم حاصل کرنے اور اس تعلیم اور صلاحیت کو قوم کی خدمت کے لئے وقف کر دینے کی ایسی مثال ہے جو ہماری قوم میں کم نظر آتی ہیں۔ سرسید کی کیمیا اثر نگاہ نے میر صاحب میں بھی خدمت، ایثار اور پیہم خاموش محنت کا جو جذبہ بیدار کر دیا تھا، اس نے ان کی پوری زندگی کو ایک خاص رنگ میں رنگ دیا۔ اس میں نہ عہدے کی آرزو تھی نہ دولت کی لالچ نہ نام و نمود کی خواہش۔ اس میں محفل آرائی یا دربارداری کے ذریعہ اپنی انا کو تسکین دینے کی گنجائش بھی نہ تھی۔ یہ زندگی دوستوں کے ہجوم میں گھرے رہنے یا کالج یا یونیورسٹی کی سیاست میں پنجہ کشی کی زندگی بھی نہ تھی۔ یہ کام کی زندگی تھی، محبت اور خدمت کی زندگی تھی شرافت اور عبادت کی زندگی تھی۔ اصول پرستی اور کردار کی پختگی کی زندگی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سانچہ ٹوٹ گیا، یہ پانی ملتان بہہ گیا۔

میر صاحب غالباً شروع ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے بڑے مشکل حالات میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۸۱ء میں انٹرنس پاس کیا اور جنوری ۱۸۸۲ء میں علی گڑھ آگئے ۱۸۸۶ء میں بی۔ اے کیا اور اسی سال جولائی سے اسکول میں فقتھ ماسٹر ہوگئے۔ انھوں نے اسکول میں اس محنت اور جانفشانی سے پڑھایا کہ سرسید نے ان کے کام کی خاص طور پر تعریف کی۔ یہ جب تعطیل کے زمانے میں طلبہ کو روک کر انھیں انٹرنس کے امتحان کے لئے تیار کرتے تھے تو اس کا معاوضہ کبھی نہیں لیتے تھے ڈائننگ ہال میں کھانے کے انتظامات کی دیکھ بھال کرتے تھے تو اعزازی طور پر انھوں نے سرسید کی بلند حوصلگی بھی دیکھی اور ان کی آمریت بھی۔ بیک اور مارین کا زمانہ بھی دیکھا اور آرچ بولڈ اور ٹول کا دور بھی۔ سید محمود کی مخصوص مزاجی کیفیت کو بھی جھیلا اور محسن الملک اور وقار الملک کے زمانے کے معرکوں سے بھی سلامت روی سے گزرے۔ نہ کسی پارٹی کے ممبر ہوئے نہ کسی پارٹی کی مخالفت کی۔ خدمت سے مخدوم بنے۔ ایرانی طلبہ کو علی گڑھ لانے کے لئے ایران کا سفر کیا مگر اپنے پیسے سے جنوری ۱۹۲۰ تک کالج سے متعلق رہے اس کے بعد استعفا دے کر اپنے وطن ریواڑی چلے گئے مگر ۱۹۲۱ء میں انھیں نواب صدر یار جنگ نے پھر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے دفتر کا نگراں مقرر کر دیا اور ۱۹۳۵ء تک یہ کام کرتے رہے۔ ڈپٹی حبیب اللہ سے ایسی دوستی تھی کہ انھوں نے اپنے مکان کا نام ولایت منزل رکھا میر صاحب نے اپنے مکان کا نام حبیب اللہ منزل رکھا۔ جب تک اس قابل رہے روز ان سے ملنے جاتے تھے۔ آخر ۸ر جولائی ۱۹۴۹ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا

REGD. NO. L.922 R. NO. 2186, 57